دارالافتاء حضرۃ العلام حافظ عبداللہ محدثؒ روپڑی

اولاد کو تحفہ وغیرہ دینے کے شرعی احکام

ماں باپ اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو کئی چیزیں عنایت کرجاتے ہیں، ایسے ہی اُنہیں کسی بیٹے یا بیٹی سے طبعاً زیادہ محبت بھی ہوتی ہے لیکن اسلامی شریعت نے اس سلسلے میں چند ایک اُصول مقرر فرمائے ہیں جن کو پیش نظر رکھنا مسلم والدین کے لئے ضروری ہے۔ اس نوعیت کے مسائل مسلم معاشرہ میں اکثر وبیشتر پیش آتے رہتے ہیں، زیر نظر مضمون میں ایسے ہی احکام سوال وجواب کی صورت میں بیان ہوئے ہیں۔ واضح رہے کہ ھبہ کا لفظ عربی زبان میں کسی شے کو تحفۃً دینا، گفٹ کردینا، عطیہ دینا وغیرہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ بعض جزوی اصلاحات، حوالہ جات اور ترتیب کے بعد یہ مضمون ہدیۂ قارئین ہے۔ ح م

اولاد میں برابری کا حکم کس نوعیت کے اُمور میں ہے؟

سوال ❶: حدیثِ نبویؐ کی رو سے اولاد کے درمیان مساوات کرنا چاہئے۔ اگر والدین اولاد کا نکاح کریں تو عموماً زیورات، پارچہ جات وغیرہ میں والدین کی طرف سے کمی بیشی ہوجاتی ہے۔ اگر ایک بیٹے کو تعلیم میں لگایا تو اس کے اخراجات کے متحمل بھی والدین ہی ہوتے ہیں، حالانکہ بعض اوقات دوسری اولاد پر اتنا خرچ نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح کسی کو مکان لے کر دیا کسی کو کچھ اور کسی کو کچھ، اور مساوات کا لحاظ نہیں رکھا گیا، تو سوال یہ ہے کہ

شریعت نے اولاد کو دیے جانے والے ہر عطیہ میں مساوات ضروری رکھی ہے۔ اگر یہی بات ہے تو پھر یہ امر انسان کی طاقت سے باہر ہے اور ارشادِ الٰہی ہے: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ اگر ایسا نہیں تو پھر فرمانِ نبویؐ «لا أشهد على جور» (میں ظلم پر گواہ نہیں بن سکتا) جو مسلم کی حدیث میں وارد ہے، اس کے کیا معنی ہوئے؟

جواب: اکٹھے خرچ میں تو مساوات بیگانوں میں نہیں ہوسکتی، ایک گھر میں کس طرح ہوگی؟ مثلاً سفر میں دو شخص اپنا خرچ ایک جگہ کریں تو ضرور کمی بیشی ہوگی۔ ایک وقت ایک کو بھوک

www.KitaboSunnat.com

پیاس نہیں ہوتی تو اس کی خاطر دوسرا بھوکا نہیں رہ سکتا، کبھی ایک شخص ایک روٹی کھاتا ہے تو دوسرا دو یا تین کھا جاتا ہے۔ اسی طرح بیماری وغیرہ میں بھی پیسے کم و بیش خرچ ہوتے ہیں، سب سے احتیاط والی چیز یتیموں کا مال ہے، جس کے متعلق قرآنِ مجید میں سخت وعید بھی آئی ہے کہ جو یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹوں میں آگ ڈالتے ہیں۔ اسی وجہ سے صحابہؓ نے یتیموں کا کھانا دانہ الگ کر دیا مگر جب اس کا نبھنا مشکل ہوگیا تو ارشادِ خداوندی ہوا: ﴿وَإِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ﴾ (البقرۃ:۲۰۰) ''یعنی اگر ان کو اپنے ساتھ ملا لو تو تمہارے بھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ فسادی اور مصلح کو خوب پہچانتا ہے۔'' اس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اکٹھے خرچ میں مساوات کی کوئی صورت نہیں بلکہ ہر ایک کی ضرورت کے بقدر خرچ ہوتا ہے، کوئی کھانا زیادہ کھاتا ہے، کوئی کم اور کسی کے وجود پر کپڑے کا خرچ کم ہوتا ہے تو کسی کے وجود پر زیادہ، کیونکہ ان کے قد وقامت بھی برابر نہیں ہوتے۔ کسی کا وجود کمزور ہے، اس کو سردی میں زیادہ گرم کپڑے کی ضرورت ہے تو کسی کو ہلکا کافی ہے۔ کسی کے وجود پر کپڑا جلدی پھٹتا ہے اور وہ سال بھر میں کئی جوڑے چاہتا ہے، کوئی کم، بالخصوص لڑکیوں کے کپڑوں پر زیادہ خرچ ہوتا ہے بلکہ ساتھ ان کے زیور کا خرچ بھی ہے، جیسا کہ قرآنِ مجید میں بھی ہے: ﴿أَوَ مَنْ يُنَشَّأُ فِي الْحِلْيَةِ﴾ (الزخرف:۱۸) ''لڑکیوں کی پرورش زیورات میں ہوتی ہے۔'' پھر بیماریوں وغیرہ کے موقع پر دواؤں پر اور حکیموں، ڈاکٹروں کی فیسوں میں ایک انداز پر خرچ نہیں ہوتا۔ اس طرح بیاہ شادی پر مختلف خرچ ہوتا ہے، کیونکہ لڑکی بیگانی ہوتی ہے، لڑکے والے جو چاہتے ہیں، خرچ کراتے ہیں۔ اس طرح لڑکیوں کی شادی میں ایک قسم کے لڑکے نہیں ملتے اور نہ لڑکیاں ایک صفت، ایک لیاقت کی ہوتی ہیں تو پھر خرچ میں برابری کی کیا صورت ہے؟ اس طرح اولاد کی تربیت میں بھی تفاوت ہوتا ہے۔ ان کی لیاقت، استعداد اور ذہانت وطبیعت کا لحاظ کرتے ہوئے ان کو مختلف ہنر سکھائے جاتے ہیں۔ کسی کو طبابت، ڈاکٹری، کسی کو انجینئرنگ، کسی کو تجارت اور کسی کو عالم دین بنا کر خادمِ اسلام بنا دیا جاتا ہے اور لڑکیوں کو بھی ان کے حسبِ حال تعلیم دی جاتی ہے تو ان کے خرچ واخراجات برابر کس طرح ہو سکتے ہیں؟

www.KitaboSunnat.com

یہی صورتحال بیویوں کے بارے میں بھی ہے کہ ان میں بھی برابری کا حکم ہے مگر اس قسم کے اُمور میں ان کے درمیان بھی تفاوت ہوجاتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کے مہر مختلف تھے۔ ولیمے مختلف اور ان سے بات چیت مختلف تھی۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو سفر میں ساتھ لے گئے مگر رات کو اپنی سواری حضرت عائشہؓ کی سواری کے ساتھ رکھتے اور انہی سے بات چیت کرتے۔ حضرت حفصہؓ کو اس بات سے بڑی غیرت محسوس ہوئی۔ چنانچہ یہ لمبا قصہ صحیح بخاری میں باب القرعة بين النساء إذا أراد سفرًا میں موجود ہے۔ اس طرح محبت میں بھی برابری نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ اختیاری شے نہیں بلکہ طبعی ہے۔ ایسے ہی جب تک طبعی میلان نہ ہو مباشرت وغیرہ بھی نہیں ہوسکتی۔ البتہ ہر گھر میں باری باری جانا اختیاری شے ہے، اس لئے رسول اللہ ﷺ باری تقسیم کرنے کے بعد فرماتے «اللهم هذه قسمتي فيما أملك فلا تلمني فيما تملك و لا أملك» (ترمذی:۱۱۴۰)

''یا اللہ! یہ میری تقسیم ہے اس شے میں جس کا میں اختیار رکھتا ہوں، پس جس کا تو اختیار رکھتا ہے اور میں نہیں رکھتا، اس میں مجھے ملامت نہ فرما۔''

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حوائج ضروریات اور تربیت میں برابری ناممکن ہے بلکہ ان میں وہی یتیموں والا اُصول مدنظر رکھنا چاہئے یعنی ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ﴾ (البقرۃ:۲۲۰) ''خدا مفسد کو اصلاح کرنے والے سے جانتا ہے۔'' جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی طرف سے ہر ایک کی اصلاح اور بھلائی کی کوشش ہونی چاہئے، آگے ان کے اور والدین کے حسبِ حال کسی بات میں تفاوت ہوجائے تو اس پر مؤاخذہ نہیں۔ البتہ حوائج اور ضروریات کے علاوہ زائد عطیہ میں ضرور برابری چاہئے۔ چنانچہ بخاری و مسلم کی حدیث میں جو نعمانؓ بن بشیر سے مروی ہے کہ

"سألت أمي أبي بعض الموهبة لي من ماله، ثم بدا له موهبها لي فقالت: لا أرضى حتى تشهد النبي فأخذ بيدي وأنا غلام فأتى بي النبي فقال: إن أمه بنت رواحة سألتني بعض الموهبة لهذا قال: «ألك ولد سواه؟» قال:نعم قال: فأراه قال:«لا أشهد على جور» " (بخاری:۲۶۵۰،مسلم:۱۶۲۳)

آپ کے فرمان «لا أشهد على جُور» ''یعنی میں ظلم پر شہادت نہیں دیتا'' میں اسی

www.KitaboSunnat.com

قسم کے عطیہ کا ذکر ہے اور ایک حدیث میں تصریح آتی ہے کہ سوّوا بين أولادكم في العطية (بیہقی:۱۷۷/۶) چنانچہ فتح الباری کے حوالہ سے اس کا ذکر آگے آتا ہے، یعنی ضروریات کے علاوہ کوئی عطیہ دینا ہو تو اس میں برابری ضروری ہے۔ اسی بنا پر علما نے لکھا ہے کہ اگر کوئی سبب ایسا پیدا ہوجائے جس سے بعض اولاد کو عطیہ دینا پڑے تو اس صورت میں بعض کو دینے میں بھی کوئی حرج نہیں، مثلاً کوئی دائم المرض یا مقروض ہو تو اس صورت میں ان کو خاص بھی کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (۵۴۶/۱۰) میں اس کی تصریح کی ہے اور علامہ شوکانیؒ نے نیل الاوطار (۲۴۲/۵) میں بھی ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ درحقیقت عطیہ نہیں بلکہ اولاد کی ضروریات میں داخل ہے کیونکہ دائم المرض اور مقروض ہونا ایک بڑی ضرورت اور مجبوری ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ضروریات تو کجا، اس عطیہ میں بھی برابری نہیں جو ضروریات میں داخل ہو۔

ہبہ کی برابری میں بیٹوں اور بیٹیوں میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

سوال ❷: اولاد کو دیے جانے والے تحفہ میں مساوات ضروری ہے یا مثل وراثت لڑکی کا حصہ لڑکے کے نصف ہوگا؟

جواب: عطیہ میں بیٹے بیٹیوں میں برابری کا حکم ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس حدیث میں «لا أشهد على جور» فرمایا ہے، اس میں یہ بھی ہے أكلّ ولدك نحلتَ مثله (صحیح مسلم:۱۶۲۳) یعنی نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں: جب میرے والد نے مجھے ایک غلام ہبہ کر کے رسول اللہ ﷺ کو اس پر گواہ بنانا چاہا تو آپؐ نے فرمایا: ''کیا اپنی تمام اولاد کو تو نے اس کے مثل ہبہ کیا ہے؟'' میرے والد نے کہا: نہیں۔ تو آپ نے فرمایا: اس ہبہ سے رجوع کر لے اور ایک روایت میں ہے کہ کیا تو نے اپنی باقی اولاد کو بھی اس کی مثل دیا ہے؟ کہا: نہیں، تو فرمایا: اللہ سے ڈرو اور اولاد میں عدل کرو۔ ان الفاظ ''اس کے مثل ہبہ کیا ہے یا اس کی مثل دیا ہے؟'' سے معلوم ہوتا کہ اس بارے میں ذکور واُناث میں کوئی فرق نہیں کیونکہ اولاد کا لفظ لڑکے اور لڑکیوں سب کو شامل ہے۔ اور اس حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں: قال «أيسرّك أن يكونوا إليك في البرّ سواء؟» قال بلى قال: «فلا إذًا»

www.KitaboSunnat.com

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ تیری اولاد تیرے ساتھ برابر نیکی کرے؟ کہا: ہاں تو آپؐ نے فرمایا: پس میں اس ہبہ پر گواہ نہیں بن سکتا۔'' (ایضاً)

ان الفاظ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ تحفہ/ ہبہ وغیرہ میں لڑکے اور لڑکیوں میں فرق نہیں، کیونکہ عموماً والدین چاہتے ہیں کہ ہماری اولاد ہمارے ساتھ برابر نیکی کرے، خواہ وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں۔ پس ترجیح اسی کو ہے کہ اس بارے میں لڑکے اور لڑکیوں میں برابری کی جائے۔ مذکورہ حدیث کی بعض روایتوں میں اگرچہ اولاد کے عام لفظ کی جگہ بیٹوں کا لفظ بھی آیا ہے مگر حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (۵۳۹/۱۰) میں کہا ہے کہ اگر صرف لڑکے ہی ہوں اور اگر لڑکے لڑکیاں دونوں ہوں تو پھر لڑکوں کا ذکر محض غلبہ کی بنا پر ہے، اس کے بعد حافظ ابن حجرؒ نے بحوالہ ابن سعدؒ، نعمانؓ کے والد کی ایک بیٹی کا بھی تذکرہ کیا ہے جس کا نام اُبیّہ ہے جس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جن روایتوں میں لڑکوں کا ذکر ہے وہ محض غلبہ واکثریت کی بنا پر ہے جیسے والد اور والدہ، دونوں کو والدین ہی کہہ دیتے ہیں اور حافظ ابن حجرؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ حدیث میں تسویہ (برابری کرنے کا حکم) اسی امر کی طرف شہادت دیتا ہے کہ لڑکے لڑکیوں میں فرق نہیں، پھر اس کی تائید میں ایک روایت بھی ذکر کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: «سووا بين أولادكم في العطية فلو كنت مفضلا أحدا لفضلت النساء» (بیہقی: ۱۷۷/۶) یعنی ''اولاد کو عطیہ دینے میں برابری کرو۔ پس اگر میں کسی کو فضیلت دیتا تو عورتوں کو دیتا۔'' اس حدیث کی اسناد میں اگرچہ علامہ شوکانی نے نیل الاوطار (۲۴۲/۵) میں سعید بن یوسف نامی راوی ضعیف بتایا ہے مگر حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں: وإسناده حسن یعنی اس کی اسناد حسن ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معمولی ضعف ہوگا جس سے حدیث صحت کے درجہ سے نکل کر حسن کے درجہ کو پہنچ گئی، مثلاً حافظہ میں معمولی نقص ہوگا وغیرہ۔ بہرصورت اس حدیث سے تائید ضرور ہوتی ہے۔ پس ترجیح اسی کو ہے کہ عطیہ میں لڑکے اور لڑکیوں میں برابری کی جائے۔

نوٹ: اس حدیث سے اس بات کی بھی تائید ہوتی ہے کہ اولاد میں ضروریات اور حوائج کے اندر برابری کا حکم نہیں بلکہ عطیہ میں برابری کا حکم ہے، جیسا کہ اوپر تحقیق ہوچکی ہے کیونکہ

www.KitaboSunnat.com

اس حدیث میں صراحت موجود ہے کہ اولاد میں عطیہ کے اندر برابری کرو۔

اپنا تمام ترکہ انسان کس مرض میں ہبہ کرسکتا ہے؟

سوال ۳: لڑکا مشرک، بدعتی اور بدقماش ہے جو اپنے باپ کا نافرمان ہے۔ بیوی بھی لڑکے کے ہم اوصاف ہے، بغرضِ طلاق اس کو بہن کہہ کر الگ بھی کیا ہوا ہے۔لڑکی کو ترکہ کے حصے سے دو ہزار روپیہ دے دیا ہوا ہے، اب زید کا خیال ہے کہ میرے بعد اگر جائیداد ورثا کو ملی تو وہ حرام راستہ پر جائے گی۔ زید چاہتا ہے کہ اپنی جائیداد منقولہ وغیر منقولہ کسی اسلامی ادارہ کو ہبہ کرجائے، کیا یہ جائز ہے؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں بیوی کی عدت پوری ہوچکی ہے، اس لئے اب وہ بیوی نہیں رہی۔ اب اس کا کوئی حق نہیں اور بیٹا مشرک ہے اور مشرک کافر ہے اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا۔ البتہ لڑکی وارث ہوسکتی ہے، اگرچہ اس کو دو ہزار روپیہ دے کر الگ کردیا ہے لیکن اس سے اس کی وراثت کا حق منقطع نہیں ہوتا کیونکہ وراثت موت کے وقت ہوتی ہے، اگر موت کے وقت زید کے پاس کچھ مال ہوگا تو لڑکی وارث ہوگی اور اگر موت سے پہلے صحت اور تندرستی میں زید سارا مال کسی ادارہ وغیرہ کو دے دے تو اس صورت میں لڑکی کا کوئی حق نہیں کیونکہ اس کی زید کو شرعاً اجازت ہے، جیسے مشہور ہے کہ حضرت عمرؓ نے فی سبیل اللہ نصف مال دیا اور حضرت ابوبکرؓ نے سارا مال دیا۔ رہا بیماری میں دینا تو اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ بیماری لمبی ہو جس میں موت کا واقع ہونا کم ہوتا ہے، جیسے دمہ، کھانسی، بواسیر وغیرہ جو عمر بھر ساتھ رہتی ہیں اور کچھ علاج معالجہ سے صحت بھی ہوجاتی ہے تو ایسا بیمار تندرست کے حکم میں ہی ہے کیونکہ عموماً تھوڑا بہت انسان بیمار رہتا ہی ہے، جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ اس زہر سے فوت ہوئے جو ہجرت کے موقعہ پر غارِ ثور میں کسی شے کے کاٹنے سے جسم میں سرایت کرگیا تھا۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ اسی زہر سے فوت ہوئے جو ۷ ہجری میں خیبر کے موقع پر یہود نے دعوت کے بہانے سے بکری کے گوشت میں آپ کو کھلا دیا تھا۔ آپ ﷺ کے تالو کا گوشت جس کو پنجابی میں 'کامی' کہتے ہیں، اس زہر کے اثر سے سیاہ پڑ گئی تھی۔ حضرت عائشہؓ کو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہمیشہ مجھے اس سے دُکھ رہتا ہے اور وفات کے وقت فرمایا کہ اب اس زہر کے اثر سے

www.KitaboSunnat.com

میری شہ رگ کٹ گئی ہے۔ اس قسم کے واقعات سے ثابت ہوا کہ لمبی بیماری تندرستی کے حکم میں ہے، ورنہ حضرت ابوبکرؓ سارا مال دیتے اور نہ رسول اللہ ﷺ قبول فرماتے۔

اور اگر خطرناک بیماری ہو جس میں عموماً موت واقع ہو جاتی ہے تو اس کی پھر دو حالتیں ہیں ایک یہ کہ اس کے بعد صحت ہو جائے تو اس بیماری کے اندر تصرفات تندرستی والا ہی حکم رکھتے ہیں اور اگر اس بیماری میں موت واقع ہوگئی تو یہ مرض الموت ہے اور مرض الموت کے تصرفات وصیت کا حکم رکھتے ہیں جو تہائی مال تک ہی جاری ہوسکتی ہے چنانچہ تلخیص الحبیر اور مُحلّی ابن حزم وغیرہ میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ کو باغ کی کھجوریں ہبہ کیں حضرت عائشہؓ سے کسی وجہ سے کاٹنے میں دیر ہوگئی۔ اسی اثنا میں حضرت ابوبکرؓ مرض الموت سے بیمار ہوگئے جس میں موت کے آثار ظاہر ہوگئے، چونکہ ہبہ میں قبضہ شرط ہے اور بغیر قبضہ کے ہبہ نہیں ہوتا اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: اے بیٹی! اگر تو میری بیماری سے پہلے قبضہ کرلیتی تو یہ تیری چیز ہو جاتی۔ اب یہ مال وارث کا ہے یعنی دوسرے وارثوں کی طرح ہی تجھے اس سے حصہ ملے گا، اب یہ ہبہ نہیں رہا اور اس کو وصیت اس لئے نہیں بنایا کہ وارث کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں۔ خلاصہ یہ کہ صورتِ مسئولہ میں دیکھنا چاہئے کہ بیماری کس قسم کی ہے۔ سو اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا۔

وارث کے لئے ہبہ اور قبضہ کے بغیر ہبہ کا حکم

سوال ❹: ہندہ صاحبِ جائیداد عورت ہے اور لاولد ہے۔ اس نے اپنی کچھ جائیداد اپنے بھتیجوں میں سے ایک بھتیجے زید کو ہبہ کرکے رجسٹری کرا دی ہے لیکن جائیداد مذکور کو اپنے ہی قبضہ میں رکھا ہوا ہے۔ ہندہ کی زندگی میں زید کا انتقال ہوگیا۔ ہندہ نے بعد انتقال زید مذکور کے ہبہ کو منسوخ کرنے کی زبانی کوشش کی، اس کے بعد ہندہ کا بھی انتقال ہوگیا۔ اب سوال یہ ہے کہ ہندہ کا اپنے وارثوں کو..... جن کا حصہ شرع میں مقرر ہے..... ہبہ کرنا جائز ہے؟ ہندہ کا ہبہ کردہ جائیداد کو اپنے قبضہ میں رکھنا ہبہ کو منسوخ کرتا ہے یا جائیداد مذکور از روئے شریعت ہندہ کے وارثوں میں تقسیم ہوگی یا زید کے وارثوں میں؟

جواب: ہندہ بقائمی ہوش و حواس صحت و تندرستی میں ہر ایک کو ہبہ کرسکتی ہے، صرف اولاد

www.KitaboSunnat.com

میں برابری کا حکم آیا ہے، دوسرے ورثا کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے کچھ نہیں فرمایا۔ ہاں مرضِ موت میں اس کی اجازت نہیں کیونکہ مرضِ موت کا ہبہ درحقیقت وصیت ہے، ایسے ہی حدیث میں ہے کہ «لا وصية لوارث» یعنی ''وارث کے لئے وصیت نہیں۔'' (ترمذی:۲۱۲۰)

ہندہ کا ہبہ مذکورہ تکمیل کو نہیں پہنچا۔ کیونکہ ہبہ میں موہوب لہ (جس کو ہبہ کیا گیا ہے) کا قبضہ شرط ہے جو ہبہ مذکورہ میں نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ کو کچھ ہبہ کیا، مگر حضرت عائشہ نے اس پر قبضہ نہ کیا، اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ بیمار ہوگئے، موت کے آثار نمودار ہوئے تو فرمایا: اے عائشہؓ! تو نے قبضہ نہیں کیا۔ اب یہ مال ترکہ میں شامل ہے اور اس میں تجھے کوئی خصوصیت حاصل نہیں۔ یہ روایت تلخیص الحبیر کتاب الہبہ میں مذکور ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ہندہ کا ہبہ مکمل نہیں ہوا، اس لئے دیگر ورثا بھی اس میں حصہ دار ہیں۔

جس ہبہ سے شرعی وارث محروم ہوں، اس کا حکم

سوال ۵: زید کا ایک بیٹا بکر اور تین بیٹیاں ہندہ، کلثوم اور خدیجہ ہیں۔ زید اپنے لڑکے بکر کے ساتھ رہتا ہے۔ بیٹے بکر نے اپنی بہنوں اور اپنی بیٹیوں کو وراثت سے محروم کرنے کی غرض سے اپنے باپ زید پر ناجائز دباؤ ڈال کر کل جائیداد منقولہ و غیر منقولہ کو اپنے بیٹوں کے نام سے ہبہ بلا معاوضہ کرالیا جس کو تقریباً آٹھ نو سال گزر گئے۔ لیکن عملاً زید اسی مکان میں بود و باش رکھتا ہے اور اس نے کبھی مکان کا تخلیہ کر کے اسے خالی نہیں کرایا۔ چند روز ہوئے کہ زید فوت ہوگیا اور اس کے وارث مذکورہ تینوں لڑکیاں اور ایک لڑکا بکر ہے۔ ہندہ نے جب اپنے بھائی بکر سے ترکہ طلب کیا تو بکر نے جواب دیا کہ والد کی جو کچھ جائیداد تھی، خود ان کے حین حیات میں ہبہ ہوچکی ہے، البتہ انہوں نے کچھ ذاتی رقم خرچ کے لئے علیحدہ رکھی ہوئی تھی، ان میں سے جو کچھ بچا ہوگا، اس میں سے تم کو حصہ مل جائے گا، سوال یہ ہے کہ

① ایسا ہبہ جس سے ورثاء شرعی محروم ہوں اور وہ غیر وارث کو مل جائے، کیا جائز ہے یا نہیں؟

② آیا بیٹیوں کو اپنے باپ کی وراثت میں سے حصہ ملے گا یا نہیں اور یہ حضرت نعمان بن بشیرؓ کے واقعہ أكلّ أولادك نَحَلتَ (کیا تم نے تمام اولاد کو ایسا ہی تحفہ دیا ہے؟) کے ضمن میں داخل ہے یا نہیں؟

www.KitaboSunnat.com

③ ہبہ بلا قبضہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: نعمان بن بشیرؓ کی حدیث میں صراحت ہے کہ اولاد میں عدل کرو۔ پس کسی ایک کے نام جائیداد کر دینا، چاہے وہ بیٹی ہو یا بیٹا، یہ امر حدیث کے خلاف ہے۔ زید کو کوئی حق نہیں تھا کہ وہ تمام جائیداد بکر کے نام کرتا اور اب بکر کو بھی اجازت نہیں کہ وہ اس جائیداد پر قبضہ کرے۔ تلخیص الحبیر میں ہے:

إن أبا بكر نحل عائشة جذاذ عشرين وسقا فلما مرض قال وددت أنك حزيتية أو قبضتيه وإنما هو اليوم مال الوارث. مالك في الموطأ عن شهاب بن عروة عن عائشة به وأتم منه رواه البيهقي من طريق ابن وهب عن مالك وغيره عن ابن شهاب عن حنظلة بن أبي سفيان عن القاسم بن محمد نحوه وقد روي الحاكم أن النبی ﷺ أهدى إلى النجاشي ثم قال لأم سلمة إنی لأرى النجاشي قد مات ولأرى الهدية التي أهديت إليه إلا سترد فإذا رددت إلي فهي لك فكان كذلك... الحديث

(رقم:۱۳۲۸،۱۳۲۹)

''حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ کو اَسّی من کھجور ہبہ کی۔ جب آپؓ بیمار ہوگئے تو فرمایا: میں چاہتا تھا کہ تو کھجوروں کو اپنے قبضہ میں کر لیتی کیونکہ آج وہ وارث کا مال ہے۔ امام مالکؒ نے اس کو موطأ میں روایت کیا ہے اور امام بیہقیؒ نے بھی اس کو بطریق وہب، امام مالک وغیرہ سے روایت کیا ہے اور حاکمؒ نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے نجاشی کو ایک تحفہ بھیجا۔ پھر اُمّ سلمہؓ کو کہا: میں دیکھتا ہوں کہ نجاشی فوت ہوگیا ہے اور جو تحفہ میں نے اس کو بھیجا تھا، وہ ضرور لوٹا دیا جائے گا۔ پس جب وہ واپس آئے تو وہ تیرے لئے ہے، چنانچہ اسی طرح ہوا۔''

ان دونوں روایتوں سے ثابت ہوا کہ ہبہ میں قبضہ ضروری ہے۔ اگر صرف ہبہ کر دینے سے ہبہ مکمل ہو جاتا تو حضرت ابوبکرؓ حضرت عائشہؓ کو یہ نہ کہتے کہ ''آج وہ مال وارث کا ہے۔'' نہ رسول اللہ ﷺ حضرت اُمّ سلمہؓ کو یہ کہتے کہ ''جب واپس آئے تو وہ تیرے لئے ہے۔'' بلکہ اس کے حق دار نجاشی کے ورثا ہوتے۔

www.KitaboSunnat.com

اولاد میں ہبہ کے وقت برابری کا حکم، بعض اولاد کو دی گئی جائیداد کا حکم

سوال ❻: ایک شخص نے اپنے جوان بیٹے کو علیحدہ کردیا اور تقریباً سو بیگہ زمین گزارے کے لئے دے دی اور ایک پختہ مکان بھی دیا، جس میں اس کی رہائش تھی۔ اس کا ایک اور بیٹا بھی تھا اور تین بیٹیاں بیاہی ہوئی تھیں لیکن ان کو کچھ نہیں دیا، اب یہ لڑکا فوت ہوگیا۔ متوفی صاحبِ اولاد تھا، دادا نے وہ زمین گزارا کے لئے متوفی کی اولاد کو دے چھوڑی، اب دادا بھی مرگیا ہے۔ متوفی کی اولاد کا چچا سے تقاضا ہے اور وہ نصف حصہ مانگتی ہے۔ ان کو دادا نے جو زمین دے رکھی ہے، کیا شرعاً ان کو ملے گی یا وہ بالکل محروم ہوجائیں گے۔

جواب: اولاد میں سے بعض کو دینا اور بعض کو نہ دینا یہ شرعاً ناجائز، جیسا کہ نعمان بن بشیرؓ والی مشہور حدیث اس سلسلے میں بالکل واضح ہے۔ البتہ بیٹوں کی موجودگی میں پوتوں کو کچھ ہبہ کیا جاسکتا ہے کیونکہ پوتے شرعاً وراثت سے محروم ہیں۔ پس پوتوں کو جو دادا نے دیا ہے، وہی ان کا حق ہے۔ بعض بیٹوں کا ہبہ بغیر دوسرے کی رضا مندی کے صحیح نہیں۔ پس جو کچھ باپ دے گیا، وہ بھی ترکہ میں شامل کرکے بدستور ترکہ رقبضہ تقسیم ہونا چاہئے۔

تحفہ دینے والے کا اپنی تحفہ کی ہوئی شے خریدنا

سوال ❼: دو بھائی ترکہ کے حصہ دار تھے، باپ مرگیا تو ایک بھائی نے اپنا حصہ بھائی کے حق میں چھوڑ دیا۔ اب اس ترکہ میں سے معاف کنندہ کو دوسرے بھائی سے کوئی چیز خریدنا روا ہے یا نہیں؟

جواب: ایسا معاف کرنا دراصل ہبہ کی قسم سے ہے، اس کے خریدنے میں بظاہر کچھ حرج معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ کسی حدیث میں مجھے ہبہ کے خریدنے سے ممانعت تو یاد نہیں پڑتی، ویسے بغیر خریدنے کے رجوع کی ممانعت آئی ہے۔ البتہ اگر معاف کرنے والے نے اپنے بھائی پر صدقہ کی نیت کی تھی تو اسے خریدنا منع ہے۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے عمرؓ کو منع کرتے ہوئے فرمایا:

«لاَتَشْتَرِهْ وَإِنْ أَعْطَاكَهُ بِدِرْهَمٍ وَاحِدٍ فَإِنَّ الْعَائِدَ فِي صَدَقَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ» (صحیح بخاری:۲۶۳۲، صحیح مسلم:۴۱۳۹) ''اگر وہ تمہیں یہ گھوڑا ایک درہم کے عوض بھی دے، تب بھی مت خریدنا کیونکہ صدقہ کرکے اسے واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو قے کرتا ہے اور پھر خود ہی اسے چاٹ لیتا ہے۔''

www.KitaboSunnat.com